اکثریت و اقلیت کا مسئلہ

از جناب حافظ محمد یوسف صاحب انصاری گنگوہی

فی زمانا اکثریت و اقلیت کا مسئلہ اس قدر معرکۃ الآرا اور عام ہے کہ کوئی محفل اور کوئی اخبار اس بحث سے خالی نہیں۔ عوام تو بجائے خود، خواص بھی اس وقتی سیلاب میں بہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہر شخص اور ہر جماعت قومی نکبت کا واحد سبب اقلیت میں ہونے کو سمجھ رہا ہے۔ اور ہر جائز ناجائز سعی اقلیت سے نکلنے پر مصروف عمل ہے حالانکہ ضرورت اس کی تھی کہ پوری قوم پستیِ اخلاق سے نکلنے کی کوشش کرتی جو قومی نکبت کا حقیقی سبب ہے۔ قومی بدمذاقی اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ جو امور بداخلاقی کا انتہائی پہلو لیے ہوئے ہیں اُن پر فخر و مباہات کیا جاتا ہے اور دوسروں کے ہر بُرے فعل کی تقلید یہی کہہ کر کی جاتی ہے کہ وہ بھی تو ایسا کرتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ یہ کورانہ تقلید عین پستیِ اخلاق ہے جو لاریب سببِ نکبت ہے۔ اسلئے آئیے اس صحبت میں اکثریت و اقلیت کے مسئلہ پر "کتٰبٌ ینطقُ بالحق" کی روشنی میں نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ اس کے متعلق وہ شمعِ ہدایت کیا فرماتی ہے۔

سورۂ مدثر میں ولید ابن مغیرہ کا قول فقال اِنْ ھٰذا اِلّا سحرٌ یُؤثَر اِنْ ھٰذا اِلّا قول البشر (قرآن تو بس جادو ہے کہ جادوگروں ہی سے نقل کیا جاتا ہے یہ تو کسی بشر کا کہا ہوا ہے) نقل فرما کر ارشاد ہوتا ہے سَاُصلیہ سَقَر وَمَا ادرٰئک ما سقر لا تُبقی ولا تذر لوّاحۃٌ للبشر علیہا تسعۃَ عشر۔ وَمَا جعلنا اصحٰبَ النّار اِلّا ملٰئکۃ (میں عنقریب اُس کو دوزخ میں ڈالونگا۔ تو کیا سمجھا کہ دوزخ ہے کیا، نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے، جھلس دینے والی تن بدن کو، اُس پر انیس فرشتے تعینات ہیں اور ہم نے جو دوزخ کے

مرکل مقرر کیے ہیں وہ فرشتے ہی ہیں) بعض یہود کے دریافت کرنے پر کہ دوزخ پر کتنے فرشتے ہیں؟ تعداد بتلائی گئی کہ انیس ہیں۔ اس پر ابوالاسد قرشی نے جماعت قریش سے خطاب کرکے کہا۔ گھبرانے کی بات نہیں انیس ہی تو ہیں۔ ہم تو ہزاروں ہیں۔ ذرا دیر میں ہم ان کو ختم کر دینگے۔ اس قلت وکثرت کے سوال اور کثرت پر تفاخر اور بھروسہ کے خیال کو باطل کرنے کے لیے ارشاد ہوا۔ وما جعلنا عدتھم الا فتنۃ (اور ہم نے ان کا شمار اور تعداد جانچ اور آزمائش ہی کے لیے رکھا ہے) حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ فیہ ما فیہ میں اس آیت کو نقل کرکے حسب ذیل توضیح فرماتے ہیں۔

این شمار خلق فتنہ است کہ گویند این یکے
وایشان صد یعنی ولی را یک گویند و
خلقان بسیار را صد و ہزار گویند این فتنۂ
عظیم است۔ این نظر واندیشہ کہ ایشان
را بسیار بیند و او را یک فتنۂ عظیم است
وما جعلنا عدتھم الا فتنۃ۔ کدام
صد کدام پنجاہ و کدام شصت قومے بے دست
وپا و بے ہوش و بے جان چون طلسم و
سیماب می جنبند۔ اکنون ایشان را
شصت یا صد یا ہزار گوئی واین را
یکے ملک ایشان ہیچند۔ واین ہزار و
صد ہزار و ہزاران ہزار قلیل اذا عدوا
کثیر اذا شدوا۔

مخلوق کی یہ شمار کہ یہ ایک اور وہ سو خود فتنہ ہے۔ یہ جو کہتے ہیں
کہ عامۂ خلائق ہزاروں لاکھوں ہے اور ولی ایک ہے یہ فتنۂ
عظیم ہے۔ یہ نظر اور یہ تخیل کہ عامۂ خلائق کو بہت سمجھنا اور
ولی کو ایک یہ فتنۂ عظیم ہے۔ وما جعلنا عدتھم الا
فتنۃ (اور ہم نے ان کا شمار اور تعداد جانچ ہی کے لیے رکھا
ہے) ایک بے جان بے دست وپا بیہوش مخلوق کو
پچاس، ساٹھ، سو یا ہزار شمار کرنا کونسی دانشمندی ہے
ان کی حرکت طلسمی اشیاء اور پارہ کی حرکت کے مشابہ
ہے۔ ایسی بے جان مخلوق تو ایک شمار ہونے کے بھی
قابل نہیں۔ چہ جائیکہ سو یا سو ہزار۔ ملک اولیاء اللہ جو
فی الحقیقت زندہ مخلوق ہے اور ایک نظر آتے ہیں وہ ایک بھی
ہزاروں لاکھوں کی برابر ہیں۔ قلیل اذا عدوا کثیر اذا شدوا
(گنتی میں کم لڑائی میں بہت)

جس قوم کے اخلاق خراب ہوں، جس میں ایثار نہ ہو جس کے افراد اپنے ذاتی تمتع اور مفاد پر ساری قوم اور قوم کے مفاد کو ہر وقت قربان کرنے کے لیے تیار ہوں۔ وہ قوم شمار میں کتنی ہی ہو، کتنی ہی بڑھ جائے۔ بالکل بے جان مخلوق ہے ناممکن ہے کہ وہ تعداد میں بڑھ کر کوئی کارنمایاں انجام دے یا محکومی اور غلامی کی زنجیریں توڑ سکے یا دوسروں پر فائق اور حکمراں ہو سکے۔ ایسی بداخلاق قوم کے لیے جو پستیٔ اخلاق کی وجہ سے مردوں کی صف میں آ چکی ہو۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ ابدی ذلت و دائمی نکبت مقدر ہو چکی ہے۔ اس قانون میں تبدیلی ناممکن ہے۔

قرآن شریف میں ایک دوسرے موقعہ پر کثرتِ تعداد پر تفاخر سے روکا گیا ہے۔ کثرت پر گھمنڈ اور غرور اور اس کو ذریعۂ تفوق و غلبہ سمجھنے کو نہ صرف منع کیا گیا بلکہ اس کی سزا کا بھی ذکر ہے۔

دسویں پارہ میں ارشاد ہے۔ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ (اللہ تمہاری مدد کر چکا ہے بہت میدانوں میں۔ اور حنین کے دن جب تمہیں مغرور کر دیا تھا تمہاری کثرت نے۔ تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی۔ اور تم پر تنگ ہو گئی زمین باوجود اپنی فراخی کے پھر تم ہٹ گئے پیٹھ دیکر)۔ ایک جنگ بدر کا نقشہ ہے کہ مسلمان انتہائی قلت اور بے سروسامانی میں ہیں۔ بس اللہ کی رضا میں جان دینے کے سوا نہ کوئی امید ہے اور نہ سہارا۔ کفار تعداد میں کئی گونہ ہیں۔ جنگی سامان سے لیس اور مکمل۔ مگر باوجود قلت تعداد و بے سروسامانی مسلمان فتحیاب ہوتے ہیں۔ اس کے بعد حنین کا معرکہ ہوتا ہے۔ تو صورت بالکل برعکس ہے مسلمان ۱۲ ہزار اسباب و سامان جنگ کی بھی کمی نہ تھی۔ اور کفار کل ۴ ہزار۔ مسلمانوں کو اپنی کثرتِ تعداد پر ناز ہے۔ اور دلوں میں یہ خیال کہ جب قلت تعداد اور بے سروسامانی میں ان کو کامل شکست دے چکے ہیں اب تو دشمنان دین کو مار بھگانا بچوں کا کھیل ہے۔ یہاں اس کثرت پر گھمنڈ اور تعداد پر نازاں ہونے کے خیال کو باطل کرنے کیلئے

مسلمانوں کو ایسی شکست سے دوچار کرایا گیا جسکا تصور بھی ناممکن تھا۔ پیٹھ دیکر ایسے بھاگے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گنتی کے چند صحابہ رہ گئے۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ جب کثرت کا غرور ٹوٹ گیا اور اقلِ قلیل جماعت رہ گئی تو پھر فتح و نصرت نے خیر مقدم کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ طاقت و سطوت اور غلبہ کا راز تو وحدت میں مضمر ہے۔ چہ جائیکہ کثرت میں۔ وحدت دو قسم کی ہوتی ہے۔ حقیقی اور معنوی یا اعتباری۔ حقیقی وحدت تو صرف ایک ہی ذات میں ہے۔ اسی کو حقیقی قوت و سطوت اور غلبہ حاصل ہے۔ وہی مستحق ہے لیکن معنوی یا اعتباری وحدت دنیا میں ہی پائی جاتی ہے۔ اور یہ ثانی الذکر وحدت جس جماعت یا قوم میں ہوگی۔ وہی جماعت اور قوم ہر اعتبار سے دنیا پہ فائق اور حکمراں ہوگی۔ خواہ دوسروں کے مقابلہ میں باعتبار شمار اور تعداد کتنی ہی کم ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ تعداد تو فتنہ اور ابتلا ہے۔ جو قوم بھی عدد کے اعتبار سے تفوق کی متلاشی ہوگی۔ کثرت تعداد پہ نازاں ہوگی۔ سمجھ لیجئے کہ اُس قوم کے ایام تفوق ختم ہوگئے اور آثار زوال نمایاں ہوگئے۔ کثرت تو زوال کی یقینی علامت ہے۔ حقیقتاً ترقی اور عروج کا راز تو تمام قوم کی قوتِ ارادی ایک مرکز پر جمع ہونے میں مضمر ہے۔ اس طرح کہ تمام قوم کی قوت ارادی میں وحدت ہو جائے۔ اس کی مثال آتشی شیشہ سے دی جا سکتی ہے جبتک انعکاس منتشر رہتا ہے اسکا اثر نہیں ہوتا اور جب انعکاس ایک چھوٹے مرکز پر جمع ہو جائے تو آگ لگا دیتا ہے۔ اسی طرح پوری قوم کی قوت ارادی اگر ایک مرکز پر جمع ہو جائے تو اسکے مقابلے میں بڑی سے بڑی تعداد۔ بڑی سے بڑی مشکلات ہیچ ہو جاتی ہیں۔ کوئی بام ترقی ایسا نہیں جس پر وہ فائز نہ ہو جائے۔ قوت ارادی ایک مرکز پر جب ہی جمع ہو سکتی ہے جبکہ تمام قوم کی سیرت اور اخلاق اعلیٰ ہوں۔ قوم کے ہر فرد میں ایثار ہو۔ اور اجتماعی مقصد کیلئے۔ ذاتی مفاد۔ ذاتی رجحانات کو قربان کرنے کا جگر ہو۔ یہ سچ ہے کہ ذاتی ترفع اور ذاتی جذبات سے کوئی فرد بھی یکسو نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ ساری قوم لیکن عام قومی اور ملکی مفاد کیلئے۔ ذاتی جذبات قربان کرنے کی ہر اس قوم میں صدہا مثالیں ملینگی

ں نے حال یا قرونِ ماضیہ میں ترقی کی ہے۔

جوزیف مزینی نجات دہندہ اٹلی، جو مصلحین اور انقلاب آور رہبروں کی صف اول میں شمار ہوتا ہے۔ اپنی تقریر میں کہتا ہے "مناسب موقعوں کا انتظار نہیں کرنا چاہئے بلکہ مناسب موقعہ پیدا کرنے چاہئیں۔ یہ جنگ صرف آسٹریا کے خلاف نہیں ہے بلکہ اہل روما کی جہالت، ان کے باہمی اختلافات اور مضرہ خرابیوں کے خلاف ہے۔ مظالم پر شکر کر تو سے بہانا بیکار ہے۔ غلامانہ عادتیں، حب مال اور حب جاہ کو چھوڑو حصول مقصد کیلئے قوم میں بہتر اخلاق ہونا شرط ہے۔ فتحمندی اور کامرانی کیلئے مسلسل قربانیاں لازم ہیں۔"

ہٹلر کی کتاب 'فین کیف' دنیا کی مقبول ترین کتاب ہے۔ بائبل کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ کثیر الاشاعت کتاب ہے اسکے حصہ دوم باب دوم میں اسی مضمون کو حسب ذیل الفاظ میں ادا کیا ہے "یہ بات ہمیں یاد رکھنی چاہئے۔ کہ اگر کسی قوم میں سے چند ایسے باہمت اور باکمال اشخاص چن لئے جائیں جن کا نصب العین ایک ہی ہو۔ اور ان کو عام جمہور یا بے عملی سے الگ رکھا جائے تو یہ چند مٹھی بھر اشخاص ترقی کر کے سب پر حکومت کرینگے۔ دنیا کی تاریخ ہمیشہ اقلیتوں نے بنائی ہے بشرطیکہ ان کی قوت ارادی ان کی پشت پر ہو۔ لہٰذا اقلیت جو بہت سوں کے نزدیک ایک کمی نقص یا رکاوٹ ہے۔ وہ فی الحقیقت کامیابی کی ضروری شرط ہے۔" اس موقعہ پر ہٹلر ایک عجیب نکتہ بھی لکھ گیا ہے اکثر کم ہمت اشخاص نصب العین کی راہ میں دشواریوں سے ڈر کر نہ خود اس کے حصول کیلئے جدوجہد کرتے ہیں نہ دوسروں کو شامل ہونیکی رائے دیتے ہیں۔ اس کے متعلق لکھتا ہے "ہمارے کام کی عظمت اور اسکی مشکلات ہی سے یہ گمان غالب پیدا ہوتا ہے کہ صرف بہترین لڑنیوالے ہی ہماری جدوجہد میں شریک ہونگے۔ اور ہر کامیابی کا راز بہتر انتخاب ہی میں پوشیدہ ہے۔"

مسٹر سیل جنھوں نے قرآن شریف کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے اپنے مقدمہ میں حضرت محمد

صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی شخصیتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

حضرت عیسیٰ کے حوارین گیلیلی کے مچھیرے تھے۔ ان میں کوئی الوالعزم شخصیت نہ تھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جملہ ایسی الوالعزم شخصیتیں تھیں کہ جہاں بھی ہوتے دنیا پر بھاری اور فائق ہوتے۔ یہ حضورؐ کی جاذبیت تھی کہ ان کو تابع کر لیا۔ اسی لئے اس مٹھی بھر جماعت نے اپنی کارناموں سے تھوڑی ہی مدت میں دنیا کو حیران کر دیا؟

مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ وحدت ارادی ہی کا کرشمہ تھا۔ تاریخ عالم ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ وحدت ارادی یا قبائلی عصبیت کے ساتھ چھوٹی سے چھوٹی جماعت نے بڑی سے بڑی تعداد والی قوموں کو جن میں نہ وحدت ارادی تھی اور نہ قبائلی عصبیت پامال اور محکوم بنا لیا ۴۸۰ء قبل مسیح علیہ السلام۔ خسرو پرویز نے بیس لاکھ فوج سے یونان پر حملہ کیا۔ یونان اُسوقت چھوٹی چھوٹی نوابیوں میں تقسیم تھا ہر نواب شاہ کہلاتا تھا۔ علاقہ اسپارٹا میں درہ تھرماپلی پر مقابلہ ہوا۔ لیونیڈاس شاہ اسپارٹا کے پاس کل سات سو آزاد لڑنے والے تھے۔ تنگ درہ پر دو دن اس نے دشمن کے دریا ذخار کو روکا۔ ایک غدار نے عقبی راستہ خسرو کو بتلا دیا۔ تمام مدافعین ایک جگہ قتل ہو گئے۔ لیکن ملک بیدار ہو گیا۔ قبائلی عصبیت کی وجہ سے ہر یونانی اپنی انفرادی شخصیت کو بھول گیا۔ اور وحدت ارادی کے ساتھ سارا ملک دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ خسرو کو واپس ہونا پڑا اور بعد میں کل مملکت ایران یونان کی محکوم ہو گئی۔ پلاسی میں کلائیو کے ساتھ کل تین ہزار فوج تھی۔ سراج الدولہ کے ساتھ پچاس ہزار پورے جنگی سامان سے مکمل فوج تھی۔ مگر وحدتِ ارادی نہ تھی میر جعفر کی غداری کی وجہ سے پچاس ہزار کو ۳ ہزار سے شکست ہوئی اور پھر اسی سارے برّاعظم پر ایک جزیرہ کے مٹھی بھر انگریز آجتک حکمراں ہیں۔ مسٹر آرمسٹرانگ مصنف گرے ولف سوانح نگار مصطفےٰ کمال لکھتے ہیں ؛ سلیمان شاہ کی وفات سے تین سو برس کے اندر دسویں جانشین سلطان سلیمان اعظم مقنن نے انصاف اور قوت کے ساتھ ایک ایسی عظیم الشان سلطنت

حکمرانی کی جس کی حدود سواحل ایڈریاٹک پر البانیہ سے ایران کی سرحد تک اور مصر سے قفقاز تک پھیلی ہوئی تھی۔ ہنگری اور کریمیا اس کے باجگذار تھے۔ دول یورپ اپنے جھگڑوں میں استمداد کیلئے تحفہ تحائف لئے اس کے دربار میں کھڑے رہتے تھے اس کے عساکر قاہرہ مشرقی ممالک کے ناکوں پر متعین تھے۔ بحر روم میں اس کا بحری بیڑہ کوس لمن الملک بجاتا تھا۔ شمالی افریقہ اس کے شہنشاہی علم کے نیچے تھے۔ قسطنطنیہ پر اسکا قبضہ تھا ۔ ۔ ۔ ۔ اور اس کے بعد تباہی اور ابتری کا دور تھا ۔ ۔ ۔ اس کے بعد کم وبیش ۲۷ سلطان ہوئے اور ہر ایک اپنے پیشرو سے زیادہ نالائق تھا ۔ ۔ ۔ ۔ صحیح رہنمائی ختم ہوجانیکی وجہ سے ترکوں میں ذلیل ترین خصلتیں پیدا ہوگئیں۔ ان کی قوت برداشت اور قوت عمل۔ یعنی انکا فولادی جوہر فنا ہوگیا۔ نسل بھی خراب ہوگئی اخلاق بھی گر گئے۔"

اس تاریخی عبارت کو پڑھکر غور فرمائیے کہ کثرت ہی کے بعد عزم ارادہ، ہمت اور وحدت ارادی ختم ہوئی۔ اخلاق ہی کی پستی نے یکے بعد دیگرے ممالک سلطنت عثمانیہ کے حلقہ اثر سے خارج کیے۔ اس راز کو مصطفٰے کمال سمجھا اور اس نے پہلا کام یہی کیا کہ ان تمام عناصر کو جو وحدت ارادی میں حارج تھے الگ کیا۔ کثرت کے خیال کو چھوڑ کر خود قلت اختیار کی۔ مگر وحدت ارادی کو حاصل کیا جسکا نتیجہ یہ ہے کہ آج پھر دول عظمٰی ٹرکی سے استمداد کی اتنی ہی متمنی ہیں جبقدر کہ سلیمان اعظم کے زمانے میں تھی۔

دوسری مثال جرمنی کی ملاحظہ فرمایئے۔ جنگ عظیم سے پیشتر جرمنی کا کل رقبہ معہ مقبوضات ۳۳ لاکھ مربع کیلومیٹر تھا۔ اور آبادی ۷ کروڑ ۲۰ لاکھ۔ مگر وحدت ارادی نہ تھی بالخصوص یہودی اور کچھ دیگر عناصر ایسے تھے جو وحدت ارادی میں حارج تھے۔ فرانس سے ایسی شکست کھائی کہ اعضا بریدہ اور بے دست وپا ہوکر رہ گئی۔ تمام مقبوضات نکل گئے پانچ لاکھ مربع کیلومیٹر رقبہ اور ۶۰ کروڑ آبادی رہ گئی۔ فلائع ترقی ختم اور مسدود ہوگئے۔ ہٹلر نے پہلا کام یہی کیا کہ ان عناصر کو خارج کیا جو وحدت ارادی میں حارج تھے۔ قوم میں یکجہتی پیدا کی۔ آج وہی بے دست وپا جرمنی مقابلۃً قلت میں آجانے کے بعد جو کچھ

کرہی ہے دنیا کے سامنے ہے۔ اسکا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ اپنی مردم شماری یا تعداد بڑھانے کی سعی کیجائے یہ تو ہر مسلم کا اول فریضہ ہے۔ اسلام کا حقیقی مشن ہے۔ لیکن یہ سعی بذریعہ تبلیغ ہونی چاہئے مگر تبلیغ کا اثر بھی جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ ہر مبلغ کا کیرکٹر خود اعلیٰ ہو۔ بہترین اخلاق ہوں۔ اعلیٰ اخلاق میں ایسی جاذبیت ہے کہ وہ بلا زبان سے کہے مخلوق کو اپنی طرف کھینچتے ہیں جذب کرتے ہیں۔ چنانچہ پادری ٹامی ٹس نے لکھا ہے کہ ۱۸۳۶ء کے قریب اسلامی تبلیغ اسقدر پُر اثر تھی کہ دس لاکھ آدمی سالانہ مسلمان ہوتے تھے۔ یہ تبلیغ حقوق حاصل کرنے کیلئے نہ تھی بلکہ سچا مسلمان بنانے کیلئے تھی۔

اقلیتوں کی کامیابی کی جو مثالیں دی گئی ہیں ان کی نسبت یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ وہ جنگ میں کامیابی کے متعلق ہیں درآنحالیکہ اس زمانہ میں اور بالخصوص اس ملک میں حکومت میں حصہ ملنے کا انحصار اس امر پر ہے کہ انتخابی جماعتوں میں نمایندگی کافی تعداد میں ہو جو اقلیت کو کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس خیال کی تردید میں رُوس کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ اس ملک میں تمام انقلابات کمیونسٹ پارٹی نے کیے اور اپنی مسلسل جدوجہد سے سوشلسٹ حکومت قائم کی۔ کمیونسٹ یا "اشتمالی" وہ تھوڑے لوگ ہیں جنھوں نے جدوجہد کر کے ملک میں جدید نظام قائم کیا۔ اور سوشلسٹ یا "اشتراکی" وہ کثیر تعداد باشندگان ہیں جنھوں نے اُس نظام کو اختیار کر لیا۔ اور اس کے تحت میں ہر قسم کے کاروبار اور ملازمتوں اور پیشوں میں مصروف ہیں۔ کمیونسٹ افراد کے پیش نظر ہر وقت انسانی بھلائی اور بہبودی ہوتی ہے اور حصولِ مقصد کیلئے وہ ہر قسم کی تکالیف اٹھاتے ہیں۔ کمیونسٹ پارٹی کے ممبر ادنیٰ مزدور سے لیکر وزرا تک ہیں۔ مگر پارٹی کی ممبری انھیں تمام بڑے عہدوں اور وزارتوں سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جس کارخانہ میں تین یا تین سے زیادہ کمیونسٹ پارٹی کے ممبر ہوں وہ فوراً اپنی مجلس شوریٰ قائم کر دیتے ہیں اور اس بات کی نگرانی رکھتے ہیں کہ کارخانہ میں کوئی بیجا بے ایمانی۔ کام چوری نہ ہونے پائے۔ اور کوئی شخص اپنے عہدے سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے۔ بیجا

طریقے پر حکومت نہ کرے ان چیزوں کی نگرانی وہ اپنے ذاتی فرائض میں سمجھتے ہیں۔ اس غرض کے ادا کرنے میں انھیں اسقدر انہماک ہوتا ہے کہ اگر کوئی کمیونسٹ تنہا کہیں سفر کر رہا ہو اور وہاں کوئی بے عنوانی دیکھے تو پھر وہ اپنا سفر ملتوی کرکے اور ہر قسم کا نقصان اٹھا کر مظلوم کی امداد کرنے پر کمربستہ ہو جائے گا۔ اگر کسی حاکم کی بے عنوانی دیکھے تو باوجود خود مزدور ہونے کے اس حاکم کی شکایت کریگا۔ اور بلا لحاظ نتائج کے پوری جدوجہد کرے گا۔

کمیونسٹ پارٹی کے ممبران کی تعداد سنہ ۱۹۳۵ء تک دو فیصدی سے زیادہ نہ تھی مگر وہ اپنی ایمانداری ایثار اور صداقت کی وجہ سے تمام ملک پر چھائے ہوئے ہیں۔ وہ صداقت اور سچائی کے مقابلے میں عہدوں کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ اسی لئے تمام ملک کی حکومت ملک کی پالیسی اسی دو فیصدی جماعت کے ہاتھوں میں ہے وہاں بھی کارخانوں اور زراعتی فارموں اور تجارتی کوٹھیوں سے لیکر اعلیٰ سے اعلیٰ کمیٹیوں تک انتخابات کا سلسلہ جاری ہے مگر باوجود صد درجہ کی اقلیت میں ہونیکے کمیونسٹوں کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی اور انھیں سچا اور اچھا سمجھکر ہر مجلس میں سر آنکھوں پر جگہ دیجاتی ہے۔

اسوقت ہندوستان میں جماعتی کشاکش نے ملک کی فضا کو بالکل مکدر کر دیا ہے۔ بالخصوص فرقہ وارانہ انتخاب نے ناواجب اور ناجائز طریقہ پر اپنے ہم مذہبوں کو فائدہ پہنچانے اور دوسروں کو نقصان پہنچانے اور ان کے ساتھ ناانصافی کرنے کو ایک نیک کام بنا دیا ہے۔ یہانتک کہ جو لوگ انصاف کی کرسیوں پر بیٹھتے ہیں وہ بھی اس پر فخر کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے ہم مذہبوں کی طرفداری کی۔ یہ فضا صرف اسوقت بدلی جا سکتی ہے جبکہ مسلمان اپنے اسلاف کے طریقے اختیار کرکے اپنے نفس اور اپنی اولاد کے مفاد پر انصاف کو مقدم رکھیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تمام اخلاق کا منبع عدل کو قرار دیا ہے۔ تمام اخلاق میں اسی کو افضلیت کا درجہ دیتے ہیں۔ اور ہمارے اسلاف کا یہی طرۂ امتیاز تھا۔ ہم عدل کو مضبوط ہاتھوں سے نہیں بلکہ دانتوں سے پکڑ لیں تو پھر نہ اکثریت کا خوف باقی رہے اور نہ

غلط انتخاب کا نتیجہ ۱۸۳۱ء میں راجہ رام موہن رائے نے جبکہ وہ انگلستان میں تھے پارلیمنٹری کمیٹی کے سامنے شہادت دیتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں لکھا تھا کہ ہندوستان میں وکالت پیشہ لوگ بالعموم ایماندار نہیں ہیں۔ البتہ مسلمان وکیل بالعموم سچ بولتے ہیں اور ایماندار ہیں۔

ساٹھ ستر سال سے زیادہ نہ گذرے ہوں گے کہ ضلع سہارنپور کے قصبہ انبیٹہ میں کسی چبوترہ پر ہندو مسلمانوں کا جھگڑا اٹھا۔ ہندو کہتے تھے کہ وہ انکا مہٹہ تھا مسلمان کہتے تھے کہ نماز پڑھنے کا چبوترہ تھا۔ ہندوؤں نے اس قصبہ کے ایک عالم کو جن کا نام مولانا سالار بخش تھا۔ کلکٹر صاحب کے ہاں طلب کیا۔ مولوی صاحب نے عدالت میں جانے سے اس بنا پر انکار کیا کہ وہ انگریز کی صورت نہیں دیکھتے۔ کلکٹر نے کہلا کر بھیجا کہ آپ شہادت سے گریز کر کے گنہگار ہوں گے۔ بالآخر طے ہوا کہ مولوی صاحب آنکھوں پر پٹی باندھ کر اجلاس میں جائیں گے۔ چنانچہ آپ گئے اور کلکٹر سے پیٹھ پھیر کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا "پوچھ کافر کیا پوچھتا ہے"؟ کلکٹر صاحب نے پوچھا "یہ چبوترہ مسلمانوں کی مسجد تھا یا ہندوؤں کا مہٹہ"؟ مولوی صاحب نے جواب دیا "مسلمان جھوٹے ہیں سچ تو ہندوؤں کا مہٹہ تھا"۔ اب سوال یہ ہے کہ اس قسم کے سچے مسلمان ہوں تو کیا ہندو انھیں اپنا نمائندہ بنانے میں تامل کریں گے۔ اور اگر ہندو تامل بھی کریں تو کیا ادنیٰ درجہ کے مادی منافع کیلئے مسلمان کیلئے جائز ہے کہ وہ ایمان فروشی کرے اور ناجائز طریقوں سے اپنوں کو نفع اور دوسروں کو نقصان پہنچائے۔ اگر ایسا کریگا تو ممکن ہے کہ وہ اپنی ذات اپنی اولاد اور اپنے احباب کو کچھ فائدہ پہنچائے۔ مگر اسلام کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اسلام کا نفع تو صرف اس میں ہے کہ انصاف کیلئے اپنی جان و مال کو فنا کر کے اسلام کا ایک عمدہ نمونہ بنے تاکہ دوسروں کو سچا مسلمان بننے کی ترغیب ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ دوسرے مذہب والوں کی ناواجب طرفداریوں اور بے ایمانیوں کو دیکھکر کوئی شخص کس طرح اپنے مذہب کو بدل سکتا ہے۔ بہرحال قومی ترقی کا راز بہتر اخلاق اور بہتر انتخاب میں مضمر ہے۔ چنانچہ رہنما کا انتخاب سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ کیونکہ

رہنما اور قائد جس سیرت کا ہوگا وہ ہی سیرت قوم میں پیدا ہوگی۔ گندم از گندم بروید جو زجو۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ قائد کیلئے حسب ذیل شرائط تحریر فرماتے ہیں

" قائد ایسا منتخب کیا جائے جو عبادات اور تقرب الی اللہ کے اعتبار سے عامۃ الناس سے افضل ہو، ذی علم صاحب الرائے فقیہ اور فعال ہو۔ تن آسان نہ ہو۔ صاحب مروت ہو۔ کبائر سے مجتنب ہو صغائر پر مصر نہ ہو۔ سیاسیات میں مہارت رکھتا ہو۔

استدراک

از مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی

محترم جناب حافظ محمد یوسف صاحب انصاری ایک نہایت مخلص، ایثار پیشہ، اور اسلام کا درد رکھنے والے بزرگ ہیں، بلقان کی جنگ میں ڈاکٹر انصاری مرحوم کے وفد کے رکن کی حیثیت سے ترکی جہاد میں اہم خدمات انجام دے چکے ہیں، تحریک خلافت میں کامیاب سرکاری ملازمت ترک کرکے معاشی زندگی کے سلسلہ میں بہت بڑی قربانی پیش کرچکے ہیں اور ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ جدید وقدیم علوم میں سنجیدہ معلومات کے حامل ہیں آپ کا یہ مضمون بہت سے نقاط کے اعتبار سے قابل قدر اور لائق توجہ ہے۔ لیکن اس میں چند باتیں ایسی ہیں جن سے اصلاح بیان کو سنجیدگی کے ساتھ اختلاف ہے۔ بنابریں حافظ صاحب کے مضمون کے ساتھ یہ چند سطور سپرد قلم کی جاتی ہیں۔

حافظ صاحب کے مضمون میں جس مسئلہ پر قلم اٹھایا گیا ہے اسکو ویسے مسلّم الثبوت اور ناقابل انکار مقدمات کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے جن سے زیر بحث مسئلہ پر روشنی پڑنے کے ساتھ ساتھ غلط فہمی پیدا ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔ حافظ صاحب کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ مذہبی اور عقلی نقطۂ نظر سے کسی قوم کی سربلندی کیلئے صرف اخلاقی برتری اور اجتماعی حیثیت کافی ہے اور یہ کہ اکثریت فی نفسہ کوئی اہم شے نہیں، بلکہ اکثر اوقات قوموں کی قوت فکر وعمل میں مستقلاً اور باعث فتنہ ثابت ہوتی ہے اور قلت تعداد باعث خطرہ یا موجب نکبت نہیں ہے بلکہ بیشتر حالات میں برتری اقوام کا سبب اور ذریعہ